جناب اسرار عالم صاحب

عصرِ حاضر کا جاہلی نظام

عصرِ حاضر بہر حال ایک حقیقت ہے ۔ لہٰذا کچھ سوالات ایسے ضرور ہیں جن کے جواب ملنے چاہئیں ..... مثلاً یہ سوال کہ عصرِ حاضر کی جاہلی قدروں پر مبنی مغربی نظام جو فی الواقع نظامِ دوراں کی حیثیت رکھتا ہے کس تدریجی عمل اور مرحلے سے گذر رہا ہے ؟ اس کا انجام کیا کچھ ہو سکتا ہے ؟ اس نظام کے عمل اور ردِ عمل کے نتیجے میں مستقبل کی دنیا کے سامنے کیا چیلنج ہو سکتے ہیں ؟ اور یہ کہ اس اعتبار سے اس چیلنج کو قبول کرنے اور دنیا کو فلاح سے ہمکنار کرنے کے لیے اسلام کا مومنوں سے کیا تقاضا ہے ؟

عصرِ حاضر کا نظامِ عالم کن اقدار پر مبنی ہے اس کا تذکرہ ابتداءً کیا جا چکا ہے ۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ان جاہلی قدر کا بنیادی پتھر اللہ ۔ ذات اللہ اور صفات اللہ کا انکار ہے ۔ اسلامی اصطلاح میں اس انکار کو انکارِ توحید کہا جاتا ہے ۔

انکارِ توحید کر دینے والے کسی بھی فرد ، قوم یا نظام کے لیے یہ بات ناگزیر ہو جاتی ہے کہ روئے ارضی پہ اپنے انسانی رویئے کے استمرار کے لیے دو باتیں مزید لازم کرے ۔ اولاً یہ کہ انسانی عقل عقلِ کل ہے اور ثانیاً یہ کہ عقل کے استعمال کے لیے انسانی خواہش حاکم اور فیصلہ کنندہ کا درجہ رکھتی ہے ۔ ان دو باتوں کا اقرار اور لزوم اصلاً دو باتوں کے انکار اور ترک کا دوسرا نام ہے ۔ ان دو باتوں میں پہلی چیز ہے روئے ارضی پر کسی ذریعہ ہدایت کا انکار اور دوسری اس بات کا کہ حیات ارضی پر انسانی رویہ کی کوئی منتہا ہے ۔ اسلامی اصطلاحات میں اوّل الذکر کو انکارِ رسالت اور ثانی الذکر کو انکارِ آخرت کہا جاتا ہے ۔

ذات و صفاتِ الٰہ کے انکار اور انسانی عقل کے عقلِ کل ہونے اور انسانی خواہش کے حاکم اور فیصلہ کنندہ ہونے پر اصرار یا بالفاظِ دیگر توحید ، رسالت اور آخرت سے پیچھا چھڑا لینے کے بعد انسان مجبور ہے کہ زندہ رہنے اور زیست کے لیے جدوجہد کرنے کے سلسلے میں کسی کام کا فیصلہ کرنے کے مرحلے تک پہنچنے کیلئے ایک مخصوص طریقۂ کار کا سہارا لے ۔ ظاہر ہے وہ طریقہ کار ۔ توحید ، رسالت اور آخرت کی ہر بندش اور تحدید سے آزاد ہوگا ۔

عصر حاضر کے مغربی نظام کو بھی توحید، رسالت اور آخرت کے انکار کے بعد اسی صورتحال سے دوچار ہونا پڑا اور اس نظام نے اپنے لیے جو طریقۂ کار وضع کیا وہ حقیقتاً توحید، رسالت اور آخرت کی ہر بندش سے آزاد تھا۔ جو لوگ عصر حاضر کے جاہلی نظام، اس کے تحت نمو پانے والے علوم وفنون، اس کے تقاضوں کے تحت معرض وجود میں آنے والے اداروں اور ان تمام چیزوں کے ساتھ ظاہر ہونے والے انفرادی اور اجتماعی انسانی رویّوں کے متعلق یہ خیال رکھتے ہیں کہ یہ سب نظام عصر، تفریق - توحید، رسالت اور آخرت کی بینیت رکھتے ہیں اور پھر بحیثیت تحریک اسلامی کے ایک فرد کے یہ تجویز فرماتے ہیں کہ اگر ان سب کے ساتھ توحید، رسالت اور آخرت کا جوڑ لگا دیا جائے تو یہ نظام اور اس کے تحت وجود میں آیا یہ کاروبار حیات کُلیتاً اسلامی ہو جائیں گے — وہ دراصل اس بات کی غمازی کر رہے ہیں کہ نہ تو انہوں نے نظامِ عصر کو سمجھا ہے اور نہ ہی نظامِ اسلام کو۔

اور اگر بفرض محال اس نظام کو توحید، رسالت اور آخرت سے متصل کر بھی دیا جائے تب بھی یہ نظام جس خمیر سے بنا ہوا ہے وہ کسی قیمت پر توحید، رسالت اور آخرت کو قبول کرنے اور آخرت کی ہر بندش سے آزاد ہے مندرجہ ذیل ہے۔

مفروضہ (Hypothesis) ← مشاہدہ (Observation) ← تجربہ (Experimentation)

سے استقرار یا استنتاج (Inference)

وہ نظام جو یورپ میں نشاۃ الثانیہ کے نام سے برپا ہوا اور انیسویں صدی آتے آتے سارے عالم پر چھا کر اور زندگی کے جملہ شعبہ جات کو اپنے اندر سموم بام عروج پر پہنچ گیا، دراصل اسی اساس پر قائم ہے۔ عہد وسطیٰ میں یورپ میں پائی جانے والی مخصوص قدروں کے درمیان برپا ہونے والی اس فکر کی بنیادی قدر انکار توحید تھی جو بالآخر انکار رسالت و آخرت پر جا کر منتج ہوئی۔ انکار توحید، رسالت اور آخرت کے نتیجے میں برپا ہوتے والا منہاج ہی دراصل وہ طریقۂ فکر ونظر اور طریقۂ کار ہے جسے عصر جدید میں سائنسی نقطۂ نظر یا سائنسی طریقہ کار (Scientific view or Scientific Approach) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ عصر حاضر میں بار آور نظام، اس کے تحت نمو پانے والے علوم وفنون، اس کے تقاضوں کے تحت وجود میں آنے والے ادارے جاہلیت کے مظاہر ہیں اصل نہیں بلکہ اس جاہلیت خالصہ کا اصل الاصول تو وہ سائنسی نقطۂ نظر یا طریقۂ کار ہے جو اس پورے نظام کی رگ وپے میں روح کی طرح موجود ہے۔

انیسویں صدی آتے آتے اس سائنسی نقطۂ نظر کی غیر معمولی قوت کے ساتھ اس شکل میں جلوہ گری ہوئی۔ جسے تالیف عناصر یا Synthesis کہا جاتا ہے۔ اور اس طرح جاہلیت خالصہ کی قدروں پر استوار اس تحریک نے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے جملہ شعبہ جات پر اپنی بالادستی قائم کر لی۔

طول بحث سے گریز کرتے ہوئے ذیل میں اختصار سے یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کس طرح اس جاہلیت خالصہ نے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے جملہ شعبہ جات اور پہلوؤں پر اپنی ہمہ گیر اور مضبوط بالادستی قائم کر رکھی ہے۔

(۱) طبیعات (Physical Science)

(الف) علم کیمیا میں نظریۂ عناصر (Elements or Atomic weights) نے کیمیائی ردعمل کی حرارت، (Heats of Chemical Reaction) کا نظریہ قائم کیا۔

(ب) میکانکس (Mechanics) میں نظریۂ طاقت وقوت (Force or Relationship to Motion) نے طاقت حرکیۃ (Theory of Kinetic Energy) کا نظریہ دیا۔

(ج) علم طبیعات (Physics) میں ایک طرف نظریہ مادہ (Matter or Molecular Structure) نے نظریہ صیانت قوت (Theory of Conservation of Energy) دیا اور دوسری طرف نظریۂ برق (Law of Electricity) نے نظریۂ برقی قوت (ElectricForce) دیا۔ اس طرح کیمیائی ردعمل کی حرارتوں کا نظریہ، طاقت حرکیۃ کا نظریہ، صیانت قوت کا نظریہ اور نظریہ برقی قوت نے مل کر نظریہ میکانیکل اکویولینٹ آف ہیٹ (Mechanical Equivalent of Heat) دیا۔ اور ان تمام نظریات نے ان دو نظریوں کو جنم دیا جنہیں مادہ کا نظریۂ جدید (New Concept of Matter) اور قوت کا نظریۂ جدید (New Concept of Energy) کہتے ہیں جو بالآخر اساس بنی اس قانون کلی کی جسے قانون تھرموڈائنامکس یعنی مادہ اور قوت کے مابین تعلق کا نظریہ کہتے ہیں۔

(۲) حیاتیات وعمرانیات۔

(الف) علم طبقات الارض (Geology) میں نظریۂ تقویم طبقات الارض (Concept of Geological Time) نے نظریۂ وحدانی طریقۂ وقت (A Single Time Process) قائم کیا۔

(ب) علم حیاتیات (Biology) میں نظریۂ وحدت ذوی ارواح (Concept of Unity of All Living Things) نے نظریہ تفریق انواع (Differentiation of Species) دیا

(ج) نظریہ معاشرہ (Social Theory) میں تسابق برائے ارتقا (Competition Makes for Progress) کے نظریہ نے تنازع للبقا (Struggle for Survival) دیا۔

علم تاریخ میں نظریات ماحول (Theories of Environment) نے نظریۂ تفریق بسبب ماحول (DifferentiationBy Adoptation to Environment) دیا۔

لہٰذا اس طرح: علم طبقات الارض کے نظریہ وحدانی طریقۂ وقت نے حیاتیات کے نظریہ تفریقِ انواع سے مل کر نشوونی فطری انتخاب کا نظریہ (Evolutionary Natural Selection) دیا۔ اور اسی طرح ۔
علم عمرانیات میں تنازع للبقائے تاریخ کے نظریہ تفریق بر انتخاب ماحول سے مل کر (Survival of the fittest) کا نظریہ دیا۔ اور پھر اسی طرح ۔

نشوونی فطری انتخاب کے نظریہ نے Survival of the fittest کے نظریہ کے ساتھ مل کر اور اس کے تعامل سے اس نظریہ کو جنم دیا جسے ڈارونیت یا (Darwinism) سے موسوم کیا جاتا ہے۔

(۳) فنونِ لطیفہ (The Fine Arts)

فنونِ لطیفہ میں تالیف عناصر کے نتیجے ہیں۔

(۱) شعبۂ بصر (Vision) کے تحت ایمار (Gesture) نے تمثیل (Drama) کے نظریات کو جنم دیا

(۲) اسی شعبۂ بصر کے تحت لون یا رنگ (Colour) نے ایک طرف مصوری (Painting) کے نظریئے دیئے تو دوسری طرف شعبۂ بصر کے نظریات سے مل کر فن تعمیرات (Architecture) کے نظریات دیئے۔

(۳) شعبۂ صوت (Sound) کے تحت موسیقی نے آرکسٹریشن (Orchestration) کے نظریات دیئے۔

(۴) شعبۂ صوت کے تحت شاعری (Poetry) نے نغمہ یا غنائیہ (Song) کے نظریات دیئے اور اس طرح شعبۂ بصر کے ڈراما، مصوری اور فن تعمیرات کے نظریوں نے شعبۂ صوت کے آرکسٹریشن اور نغمہ کے نظریوں سے مل کر اس تالیف عناصر کو جنم دیا جسے گرینڈ آپیرا (Grand Opera) کہا جاتا ہے۔ اسے ہی فنونِ لطیفہ کی ویگنری تالیف عناصر (Wagnarian Synthesis of the Arts) کہتے ہیں۔ فنونِ لطیفہ میں تالیف عناصر کا یہ عمل ویگنر (Wagner) کے الفاظ میں (GESAMTKUNSTWERK) یا فنونِ لطیفہ کی جملہ کاوشوں کی کلیت (A Totality of All Artistic Endeavour) کہلاتا ہے۔

(۴) علم سیاسیات (Political Science)

یوں تو علم سیاسیات کے نظری اور عملی شعبے اصلاً علم انسانیات یا عمرانیات (Humanities or Social Sciences) کے حصے ہیں لیکن اس صدی میں اس علم نے زندگی کے بقیہ شعبوں کو اس قدر متاثر کیا ہے کہ اس کا تذکرہ الگ کیا جانا ہی مناسب معلوم ہوا۔ علم سیاسیات میں تالیف عناصر کا عمل مختلف نوعیت کا ہوا۔ اسے تالیفِ عناصر متضاد کہا جا سکتا ہے یعنی (Rival Synthesis) اس شعبے کے تحت ایک طرف لبرل ڈیماکریٹک اصولوں (Liberal Democratic Theory) کے تحت

تاریخی تجربہ (Historical Experience) جغرافیائی سرحدوں (Geographical Frontiers)

مشترک زبان (Common language) نسلی قربت (Racial Affinity) اور قدیم اساطیری ثقافت (Folk Legend Culture) نے مل کر مغربی تصور قومیت (Nationality) کو جنم دیا۔

(ب) واحد حکومت (One Government) سیاسی آزادی (Political Independence)

خود ارادیت (Self-Determination) نے تصور خود مختاری (Sovereignty) کی تشکیل کی۔

اور اس طرح مغربی قومیت (Nationality) نے خود مختاری (Sovereignty) کے ساتھ مل کر تصور قوم (Nation) دیا۔ اسی طرح دوسری طرف۔

(۲) نظریہ مارکسیت (Marxist Theory) کی ابتدائی اشتمالیت (Primitive Communism) نجی ملکیت (Private Property) نے بورژوا سرمایہ داری (Bourgeois Capitalism) اور اس نے طبقاتی کشمکش (Class war) کے نظریات دیئے۔

اور اس طرح لبرل ڈیماکریٹک نظریہ کے تحت نظریہ قوم نے اور مارکسی نظریہ کے تحت طبقاتی کشمکش یا جنگ نے مل کر یا باہمی تعامل سے نظریہ ریاست (Theory of State) کو جنم دیا اور یہی نظام دوراں کی روح ہے۔ عہد حاضر میں ان دو نظریوں کے تالیفی عمل کا نتیجہ نظریہ اسریت اقوام (Family of Nations) ہے جس کی تجسیم کو اوائل بیسویں صدی میں League of Nations اور موجودہ زمانے میں مجلس اقوام متحدہ (UNO) کہتے ہیں۔

ایسے مسلم افراد، اجتماعیات یا ممالک جو اقوام متحدہ سے پُرامید و خوش گمان ہیں، اس کی ناکامیوں کے سلسلے میں مغربی ترقی یافتہ اقوام سے نالاں اور اس ادارے کی کامیابی کے متمنی اور اس کی تقویت کے لیے کوشاں ہیں۔ انہوں نے غالباً شاعر مشرق کے تبصرے کو محض شاعرانہ خیال قرار دیا ہو۔ جہاں شاعر نے کہا تھا کہ اس "داشتہ پیرک افرنگ" کے ذریعہ عہد حاضر کے مغربی اقوام نے "ملوکیت، عالم کا ایک "خواب" دیکھا ہے۔

روحِ عصر

اس مختصر سی روداد سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عہد جدید کی اس جاہلیت خالصہ کی ہمہ گیری کس قدر بے نہایت ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس معلومات کے بعد کہ اس نظام کی بنیاد میں توحید، رسالت اور آخرت کے انکار کا پتھر نصب ہے۔ یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ انسان کس انجام سے دوچار ہونے والا ہے۔ اس لیے کہ انکار توحید، رسالت اور آخرت انسان کو کن انتہاؤں تک بیری بنا سکتا ہے اور ان پتھروں سے چنی ہوئی فصیل کے اندر کا شہر کس قدر فساد انگیز و پُرفتن ہو سکتا ہے اس پر تاریخ انسانی بھی شاہد ہے اور کتاب اللہ بھی۔

انسانی زندگی خواہ بحیثیت فرد ہو یا اجتماعیت ، نصب العین کے بغیر ناقابل تصور ہے ۔ ہاں یہ بالکل جدا بات ہے کہ کوئی نصب العین کس قدر ارفع ہے اور کوئی کس قدر ارذل۔

عہد حاضر کے اس جاہلی نظام نے انسانی زندگی کو نصب العین سے نا آشنا نہیں رکھا ہے ۔ لیکن وہ نصب العین کیا ہے ؟ اور اس کی کیا حقیقت ہے ؟ اس پر لوگ کم ہی غور کرتے ہیں ۔

اس عہد میں انسان انفرادی اور اجتماعی حیثیتوں سے دو قسموں کے ہیں ۔ ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ۔ گویا انسان چار حیثیتوں پر مشتمل ہے ۔ ترقی یافتہ ملکوں کا فرد ، ترقی پذیر ملکوں کا فرد ، ترقی یافتہ ملکوں کی اجتماعیت اور ترقی پذیر ملکوں کی اجتماعیت۔

اس طرح انفرادی رویئے سے انسانوں کی انفرادی حیثیت کا اظہار ہوتا ہے جب کہ حکومتی سطح کے رویئے سے اجتماعی حیثیت کا اظہار ہوتا ہے ۔

اس جاہلی نظام نے زندگی کی جملہ حیثیتوں کو سمیٹ لیا ہے اور دونوں طرح کے معاشرے میں پائی جانے والی ہر دو حیثیت کو ایک نصب العین دیا ہے ۔ بلاشبہ یہ نصب العین نہایت پُرکشش اور دل فریب ہے ۔ یہی سبب ہے کہ ہر خاص و عام فرد و اجتماعیت اسی نصب العین کے حصول میں سرگرداں ہے ۔

انفرادی سطح

انفرادی سطح پر اس نظام نے جو نصب العین باضابطہ طریقے سے انسانوں کو عطا کیا ہے اور جس کے اظہار کے لیے ایک مخصوص اصطلاح ایجاد کی گئی ہے وہ ہے "معیار رہائش میں بلندی" (High Standard of Living)- یہ ایک غیر معمولی اصطلاح ہے جو بجائے خود نصب العین کی غیر معمولی حیثیت اس کی گیرائی اور ہمہ جہتی کا پتہ دیتی ہے ۔ علم معاشیات و عمرانیات میں "معیار رہائش" کی تعریف کچھ اس طرح بیان کی گئی ہے ۔

> "With reference to a person, family, or a body of people, It means the extent to which they can satisfy their wants. Thus if they can afford only the minimum amount of food, clothing, and shelter their standard of living is very low. If, on the other hand, they are able to enjoy a great variety of food, a good supply of good clothing, and live in a well-furnished house and in addition are able to satisfy a wide variety of other wants, then clearly such people are enjoying a high standard of living."
>
> (A Dictionary of Economics and Commerce: MacDonald & Evans Ltd., London).

ترجمہ :- فرد، خاندان یا لوگوں کے ایک گروہ کے حوالے سے اس کا مفہوم وہ حد ہے جہاں تک وہ اپنی

ضرورتوں کی تکمیل کر سکیں۔ گویا اگر وہ صرف اپنی غذا، لباس، رہائش کی کم سے کم ضرورت پوری کر پاتے ہیں تو ان کا معیار رہائش نہایت گھٹیا ہے۔ اگر دوسری طرف کوئی اس لائق ہے کہ وہ غذا کی ڈھیر ساری قسموں میں کسی قسم سے لطف اندوز ہو پاتا ہے جیسے لباس کے تعلق سے اچھے کپڑے کی فراہمی ہے ایک آراستہ گھر میں رہتا ہے اور اس کے علاوہ اپنی ضرورتوں کی مختلف متبادل صورتوں کی تکمیل کے قابل ہے تو یقیناً ایسے لوگ اعلیٰ معیار رہائش والے ہیں۔

لہٰذا اس نظام نے انفرادی سطح پر ہر فرد کو یہ نصب العین دیا ہے کہ اس کا معیار رہائش بلند ہو جائے اور یہ بلندی مطلق نہیں بلکہ مبہم، تسابقی اور اضافی ہے۔

اب جہاں تک "معیار رہائش میں بلندی" کے نصب العین کا تعلق ہے تو ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ممالک کے افراد اپنی اپنی سطحوں سے حصول کی کوشش کرتے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک کے افراد اس نصب العین کے حصول کی جدوجہد کرتے ہوئے اپنے معیار رہائش کو اس سطح تک بلند کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کا تذکرہ ذیل میں کیا گیا ہے۔

> "With the rising of real income of the great mass of people and the virtual abolition of poverty a time arrives when most of them can satisfy their basic wants and still have money with which to buy other things."
>
> (A Dictionary of Economics and Commerce: MacDonald & Evans Ltd., London).

ترجمہ:۔ آبادی کے بہت بڑے حصے کی حقیقی آمدنی میں اضافہ کے ساتھ ساتھ اور افلاس کے واقعی خاتمے کے بعد ایک گھڑی ایسی آجاتی ہے کہ لوگوں کی کثیر تعداد اپنی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کر لینے کے بعد بھی اس حالت میں رہے کہ اُن کے پاس پیسہ اتنا بچ رہے کہ وہ دوسری اشیا خرید سکیں۔

گویا پروفیسر گالبریتھ (Prof.J.K.Galbraith) کی اصطلاح میں ہر فرد جو کسی ترقی یافتہ یا ترقی پذیر ملک میں رہتا ہے یہ چاہتا ہے کہ وہ 'Affluent Society' کا ایک فرد ہو۔

انفرادی طور پر ہر فرد خواہ وہ ترقی یافتہ ملک سے تعلق رکھتا ہے یا ترقی پذیر ملک سے مذکورہ حالت میں رہنا چاہتا ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ ترقی یافتہ ممالک جہاں مادی، مالی اور فنی وسائل نسبتاً زیادہ ہیں وہاں کے افراد اپنی موجودہ سطح سے اوپر کی طرف رخ کرتے ہیں اور ترقی پذیر ممالک جہاں مذکورہ وسائل نسبتاً کم ہیں یا ان پر ان کا اختیار اس درجے کا نہیں ہے جس درجے کا اختیار ترقی یافتہ ملکوں کے اندر پائے جاتے

(بقیہ ص ۲۹ پر)

سلسلۂ مطبوعات مؤتمر المصنفین (۳۸)

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی
شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ؒ
مولانا سید محمد یوسف بنوری ؒ
مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم
مولانا شمس الحق افغانی ؒ
شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فریدؒ
مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ
مولانا اطہر علی بنگلادیشی
قاضی زین العابدین میرٹھی
مولانا محمد ابراہیم جان مجددی
مولانا سمیع الحق مدظلہ
مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی
مولانا قاضی عبدالکریم کلاچوی
پروفیسر محمد اشرف پشاور
مولانا لطافت الرحمٰن
مولانا محمد اسحاق سندیلوی
مولانا عبدالقدوس ہاشمی
علامہ مولانا مار تونگ ؒ
ڈاکٹر محمد صغیر حسن
ڈاکٹر حمید اللہ پیرس
ڈاکٹر سید محمد عبداللہ

میری علمی اور مطالعاتی زندگی

جلد ۲

ترتیب

مولانا عبدالقیوم حقانی

رفیق "مؤتمر المصنفین" و اُستاذ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

جناب مدیر "الحق" مولانا سمیع الحق کے سوالنامہ کے جواب میں
مشائخ، مشاہیر علماء، ممتاز سکالرز، دانشوروں اور قومی و ملی زعماء کے
علمی و مطالعاتی تاثرات اور مشاہدات پر مبنی وقیع مضامین کا مجموعہ،

مؤتمر المصنفین
دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، نوشہرہ، سرحد (پاکستان)